مشرق و مغرب کی باہم آویزی

از

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

مشرق اور مغرب کے مابین کچھ مدت سے جو سرد تصادم، اعصابی جنگ یا پھر یوں کہئے کہ جو اختلاف رائے برپا ہے اس میں تخفیف رونما ہونے کی بجائے روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس مسئلہ کا تاریک ترین اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کرۂ ارض کے ان دو حصوں کے تعلقات کو کشیدہ تر بنانے کا براہ راست یا بالواسطہ موجب وہ ادارہ ثابت ہو رہا ہے جسے بین الاقوامی تعلقات کو خوشگوار اور استوار بنانے کے لئے قایم کیا گیا تھا۔

کرۂ ارض کے مذکورہ بالا حصوں کے تعلقات کی کشیدگی کی تاریخ اور ادارہ اقوام متحدہ کے قیام کے روز اول ہی سے اس پر اقتدار یافتہ اقوام و ممالک کے ان منصوبوں کی داستان جو اس ادارہ امن و عافیت اور صلح و آشتی کے نام پر کمزور اور خصوصاً مشرق کی کمزور اقوام کو اقتصادی، معاشی اور سیاسی طور پر محکوم رکھنے کے لئے بنائے جاتے رہے ہیں بہت زیادہ طویل اور پیچیدہ ہے لیکن ماضی کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی اگر صرف گذشتہ ماہ کے واقعات ہی کو سامنے رکھا جائے تو دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں اور وہ یہ کہ اول تو مغرب، مشرق کے متعلق اپنی قدیم حکمت عملی پر قایم ہے اور اب اسے ادارہ اقوام متحدہ کے نام پر یا پھر اس کی زیر حمایت کامیاب بنانا چاہتا ہے اور دوسرے یہ کہ مشرق اب مغرب کے حاکمانہ اور مستعمرانہ اقتدار کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور جاپان سے لے کر مصر تک جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ انھیں دو مختلف نظریات اور اقدامات کے مظہر ہیں۔

جاپان کا معاہدہ

مثال کے طور پر جاپان کے ساتھ معاہدۂ صلح کے مسئلہ پر غور فرمائیے۔ دوسری

عالمگیر جنگ سے کچھ مدت قبل یہ ملک مشرق میں شہنشاہیت نا فسطائیت کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور جنگ کے زمانہ میں اس نے بھی نازی جرمنی کی طرح مشرق میں اپنی عسکری قوت کا مظاہرہ کیا تھا اور اسی لئے جنگ کے بعد سے اس وقت تک اس پر برائے نام اتحادی افواج لیکن درحقیقت امریکی سرمایہ دار مسلط ہیں لیکن اب جاپان کے ساتھ معاہدۂ صلح کی تکمیل کے لئے سان فرانسسکو میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہورہی ہے اور اگرچہ ابھی تک شرائط معاہدہ شائع نہیں کی گئیں لیکن اندازہ یہ ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعہ سے امریکہ جاپان میں اپنی فوجوں کو مقیم رکھ سکے گا۔ ارض جاپان اور اس کے گرد و نواح میں امریکہ کو بعض اہم عسکری اور فضائی مستقر حاصل ہو جائیں گے۔ امریکہ کے صنعتی سرمایہ داروں کے لئے جاپان میں داخلہ کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور امریکہ کی امداد سے جاپان پھر جارحانہ عسکریت کی راہ پر چلنے لگے گا۔

ہندوستان اور برما نے سان فرانسسکو کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا ہے چین کی عوامی جمہوریہ کو اس اجتماع میں شرکت کی دعوت ہی نہیں دی گئی۔ ویٹ کی نمائندگی کا حق فرانس کو دے دیا گیا ہے اور کوریا کے موجودہ حالات میں اس امر کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ امریکہ کے علاوہ کانفرنس میں کوئی اور اس کی نمائندگی کر سکے گا۔ اس طرح ایشیا کے ایک اہم ملک کے ساتھ معاہدۂ صلح کی تکمیل کے لئے جو کانفرنس ہو رہی ہے وہ ایشیائی آبادی کی اکثریت کی نمائندگی سے محروم ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں جس معاہدہ کی تکمیل کی جائے گی اسے نہ تو ایشیائی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو گی اور نہ وہ جاپان کے ہمسایہ ممالک نیز خود جاپان کے مفاد کے تحفظ کے اصول پر مبنی ہو گا اور اگر جنگ عظیم ثانی کے بعد ایشیا کے معدودے چند ممالک مغربی مستعمرین کی گرفت سے رسمی یا واقعی طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ تو اس معاہدہ کی بدولت ایشیا کا ایک اہم اور عسکری اہمیت کا حامل ملک امریکہ کا محکوم بھی ہو جائے گا۔

کوریا میں مذاکرات مصالحت | پھر گذشتہ ماہ کے ایک اور واقعہ پر غور فرمائیے۔ کوریا میں گذشتہ چودہ ماہ سے دنیا کی دو متضاد نظریات کی حامل قوتوں کے مابین جو تصادم ہو رہا ہے اگرچہ فی الحال اس کی حیثیت مقامی ہو کر رہ گئی ہے لیکن اس کے بین الاقوامی شکل اختیار کر لینے کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اگر کبھی یہ صورت حالات رونما ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس سے ایشیا کو شدید ترین مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اسی لئے بیشتر ایشیائی ممالک اس قضیہ کو مفاہمت کے ذریعہ سے طے کرا دینے کے خواہشمند ہیں لیکن گذشتہ جولائی سے ادارہ اقوام متحدہ کے نام پر امریکہ اور شمالی کوریا، نیز چینی رضاکاروں کے نمائندوں کے مابین کے سانگ میں جو مذاکرات ہو رہے ہیں انھیں صرف اس بناء پر ختم کر دیا گیا ہے کہ شمالی کوریا نے اتحادی افواج کے خلاف اس امر کی شکایت کی تھی کہ انھوں نے کیسانگ کے علاقہ میں شرائط مفاہمت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اتحادی افواج کے سپہ سالار اعظم جنرل رجوے اس شکایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے لیکن وہ تحقیقات بھی کرانا نہیں چاہتے گویا کہ وہ ایک شکایت کی تحقیقات کرانے سے انکار کر کے ایک ایسے بین الاقوامی ادارہ کے نام پر جس کے قیام کا بنیادی مقصد ہی بقاء امن عالم ہے ایک ایسی جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں جو تیسری عالمگیر جنگ کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مستقبل قریب ہی میں کوریا کے مسئلہ میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی تو پھر جاپان کے ساتھ معاہدۂ صلح کے بعد اس میں غیر متوقع شدت پیدا ہو جائے گی۔

ایران اور برطانیہ

ایرانی تیل کا قضیہ | ایران میں اینگلو ایرانین آئل کمپنی، اور حکومت ایران کے مابین گذشتہ چند ماہ سے جو کشمکش جاری ہے وہ دراصل ایران اور برطانیہ کی براہ راست کشمکش کی حیثیت رکھتی ہے اس کمپنی کو ۱۹۰۹ء میں قائم کیا گیا تھا ۱۹۱۴ء میں برطانیہ اس کے بیشتر حصص کو خرید کر ۵۲ فی صدی کا مالک بن گیا تھا۔ اس کمپنی کے مختلف شعبوں میں کم و بیش ۹۵ ہزار افراد کام کرتے

ہیں اور کمپنی کا علاقہ جنوبی ایران میں عملاً ایک جداگانہ ریاست کی حیثیت رکھتا ہے اس میں شک نہیں کہ تیل برآمد کرنے کے اعتبار سے اس کمپنی کو بے حد اہمیت حاصل ہے لیکن یہ اہمیت تیل برآمد کرنے ہی تک محدود نہیں بلکہ برآمد شدہ تیل کو خلیج فارس اور بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل تک پہونچانے کے لئے جو پائپ لائنیں تعمیر کی گئی ہیں ان کی حفاظت کے لئے جنوبی ایران اور مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کی سیاسی کشمکش میں اس کمپنی کو محوری حیثیت حاصل ہے۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سے چونکہ مشرق وسطیٰ میں ایک طرف تو امریکہ کا اثر و نفوذ ترقی کرتا جارہا ہے اور دوسری طرف عرب ممالک کے عوام اور شمالی ایران کے باشندے سوویٹ روس سے بھی متاثر ہورہے ہیں اور انھیں وجوہ کی بنا پر اب مشرق وسطیٰ میں برطانیہ کے حاکمانہ اقتدار کو پے در پے شدید صدمات پہنچ رہے ہیں۔ چنانچہ ایران میں تیل کے چشموں کو قومی ملکیت بنا دینے کی جو تحریک جاری ہے اس کے پس پردہ بھی یہی عناصر کام کررہے ہیں اور حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ایران اور برطانیہ کے مابین تیل کے مسئلہ پر کوئی ایسا سمجھوتہ نہ ہوسکا جو ایران کے نقطۂ نظر سے اطمینان بخش ہو تو یہ تنازعہ نہ صرف طول ہی پکڑ جائے گا بلکہ اس کا شمار ان مسائل میں بھی ہونے لگے گا جو آج بین الاقوامی امن کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

نہر سویز مصر اور برطانیہ | نہر سویز کے علاقہ سے برطانوی افواج کے انخلا کا معاملہ گذشتہ چند سال سے مصر اور برطانیہ کے مابین باعث اختلاف بنا ہوا ہے اور مصر اس معاہدہ کو منسوخ کردینے کا فیصلہ کرچکا ہے جو ۱۹۳۶ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ہوا تھا لیکن یہاں اس معاہدہ کا تذکرہ مقصود نہیں بلکہ مقصد مصر اور برطانیہ کے اس نئے تنازعہ کو پیش کرنا ہے جس کے متعلق مجلس تحفظ کے اس تازہ ترین فیصلہ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو بے نقاب کردیا ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ پر قابو یافتہ گروہ اسے کس طرح اپنے استعماری مقاصد کے حصول کے

لئے استعمال کر رہا ہے۔

۱۹۴۸ء کے وسط میں فلسطین سے برطانوی انتداب کے ختم ہونے کے بعد جب یہود کی ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں آیا تھا تو جن عرب ممالک نے اس ریاست پر یورش کی تھی ان میں مصر بھی شامل تھا اور اس وقت سے اب تک مصر اور اسرائیل کے مابین حالت جنگ قایم ہے اور اسی لئے حکومت مصر ان تمام بحری جہازوں کی تلاشی لیتی ہے جو نہر سویز سے گذر کر اسرائیل جاتے ہیں اور چونکہ اسرائیل اور عرب ممالک بالخصوص مصر اور اسرائیل کے تعلقات ابھی تک خوش گوار نہیں ہو سکے اور مغربی سیاست کی عیارانہ نوعیت کے پیش نظر یہ امر ناممکن نہیں کہ مغرب کے مستعمرین مشرق وسطےٰ میں اپنا ایک مستقر قایم رکھنے کے لئے اسرائیل کو اسلحہ بہم پہونچانے کی کوشش کریں اس لئے مصر کی مذکورہ بالا احتیاطی تدبیر کو نامناسب اور غیر معقول بھی قرار نہیں دیا جا سکتا مگر مجلس تحفظ نے ایک قرارداد منظور کر کے مصر کو اسرائیل جانے والے جہازوں کی تلاشی لینے سے محترز رہنے کی ہدایت کی ہے اور مصر ہی نے نہیں بلکہ تمام عرب ممالک نے مجلس تحفظ کی اس قرارداد کو نظر انداز کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح جہاں ادارہ اقوام متحدہ کے متعلق ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت پیش نظر ہو گئی کہ اس کے تمام تر فیصلے ایک خاص زاویہ نظر کے ماتحت ہوتے ہیں اور ان میں بین الاقوامی مفاد کو نہیں بلکہ ایک خاص گروہ کے مفاد کو سامنے رکھا جاتا ہے وہیں موجودہ بین الاقوامی کشمکش میں اضافہ کا ایک اور سبب بھی پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ایران اور عرب ممالک میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں ان میں یہ امر خصوصیت کے ساتھ باعث اطمینان ہے کہ مشرق وسطیٰ کے عوام میں بھی سیاسی شعور پیدا ہوتا جا رہا ہے اور رفتہ رفتہ یہی شعور بلوغت کے مرحلہ میں پہنچ کر ایشیا ہی نہیں بلکہ پورے مشرق کی سلاسل محکومیت کو پارہ پارہ کر دینے کا موجب ثابت ہو سکے گا۔